OPEN ACCESS
ACTA ISLAMICA
ISSN (Print): 2411-7315
ISSN (Online): 2791-0067
Published on 16/06/2025

فقہ اسلامی میں گواہی واعتراف کی شرائط اور موجودہ دور کے جاسوسی مقدمات میں ان کا عملی اطلاق

The Conditions of Testimony and Confession in Islamic Jurisprudence and Their Practical Application in Contemporary Espionage Cases

.Khizar Hayat
PhD Islamic Studies Scholar, Department of Islamic Studies,
HITEC University Taxila Cantt, Punjab, Pakistan.
khjadoon79@gmail.com

Dr. Ahmad Hassan Khattak
Assistant Professor, Deparrtment of Islamic Studies,
HITEC University Taxila, Cantt, Punjab, Pakistan.
Email ID: (ahmad.hassan@hitecuni.edu.pk)

Mufti Inayat Ur Rehman
PhD Islamic Studies Scholar, Department of Islamic Studies,
HITEC University Taxila Cantt, Punjab, Pakistan
Inayat.ur.rehman@hitecuni.edu.pk

Abstract

The paper is an insight into the classical Islamic jurisprudential demands related to testimony (shahada) and confession (iqrar) as the key evidentiary principles and a critical analysis of how the two can be applied to current cases involving espionage. Islamic legal tradition has always considered testimony by upright witnesses and voluntary confession as the two most important foundations of judicial decisions, to secure justice, transparency and safeguard the rights of individuals. But with changing face of espionage especially in digital age, such standard demands have brought about some distinct requirements. Most cases of espionage are also done in secrecy, across borders or by use of very advanced technology and as such, it is almost impossible to get first hand witnesses or voluntary confessions. This leads to the all-important question of whether contemporary evidence can be identified as such, i.e., CCTV footage, electronic correspondence, cyber-forensic reports, and digital logs can be considered as appropriate substitutes in the context of Islamic jurisprudence. It looks at how indirect and circumstantial evidence (qara'in) was addressed by Islamic scholars, classical and modern. Some thinkers, including Ibn Taymiyyah and Ibn al-Qayyim, stressed the usefulness of potent circumstantial evidence where such evidence is not available, especially in issues of national security and national interest. In working through all these lines of thinking, the study illustrates a potential that exists in reconciling classical principles of evidentiary with modern legal issues. It goes on to analyze under what jurisprudential circumstances valid confessions are made, highlighting that coerced or forced confessions are invalid under Sharia, a notion that is also consistent with the contemporary human rights principle. In addition, the paper assesses the position of the modern juristic institutions and legal frameworks in the Muslim dominant nations that are gradually adopting scientific and technological evidence in espionage cases. The study highlights the importance of well-crafted principles that can enable digital and forensic evidence to work as supplementary or even conclusive evidence, as long as measures are put in place to prevent any manipulation and unfairness. Finally, the study contends that Islamic jurisprudence has the capacity and ability to deal with espionage in the contemporary world. This approach ensures both the preservation of classical principles and the accommodation of modern evidentiary needs, thereby reinforcing the relevance of Islamic law in today's legal and political environment.

Keywords: Islamic Jurisprudence**,** Testimony (*Shahada*)**,** Confession (*Iqrar*)**,** Espionage Cases**,** Circumstantial Evidence (*Qarā'in*)**,** Digital Forensic Evidence**,** Contemporary Islamic Law

تعارف:

CC BY

فقہ اسلامی میں گواہی اور اعتراف کو بنیادی ثبوت کی حیثیت حاصل ہے، جو نہ صرف عدالتی فیصلوں کی بنیاد تشکیل دیتے ہیں بلکہ اسلامی انصاف کے نظام کی سالمیت کی ضمانت بھی ہیں۔ گواہی سے مراد کسی واقعہ یا معاملے کے بارے میں دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہے، جبکہ اعتراف کسی شخص کا اپنے خلاف کسی حق یا جرم کا اقبال کرنا ہے۔ یہ دونوں طریقہ ہائے ثبوت قرآن و سنت کی نصوص سے ماخوذ ہیں اور صدیوں سے اسلامی ممالک کی عدالتوں میں نافذ العمل رہے ہیں۔ تاہم، عصر حاضر میں جاسوسی اور جدید سائبر کرائمز جیسے مقدمات نے ان روایتی شرائط کے سامنے نئے عملی چیلنجز کھڑے کر دیے ہیں، جہاں جرائم خفیہ طریقے سے اور بین الاقوامی سطح پر وقوع پذیر ہوتے ہیں، جس میں گواہوں کا حصول یا مجرم کا اعتراف نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس پس منظر میں یہ تحقیق اس بات کی اشد ضرورت محسوس کرتی ہے کہ فقہی اصولوں کی روشنی میں ان جدید مسائل کا جائزہ لیا جائے اور عصری تقاضوں کے مطابق شرعی حل پیش کیے جائیں۔

موجودہ دور میں جاسوسی کے مقدمات انتہائی پیچیدہ اور جدید ٹیکنالوجی پر مبنی ہیں، جہاں ملک کے خفیہ اعداد و شمار، دفاعی اسرار اور سائبر سیکیورٹی کو سنگین خطرات لاحق ہیں۔ ایسے مقدمات میں مجرم عام طور پر ماہر اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں جو اپنے جرائم کو انتہائی خفیہ اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے انجام دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں روایتی گواہی کا حصول قریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جدید ثبوت جیسے سی سی ٹی وی فوٹیج، ڈیجیٹل لوگ، ای میلز، اور سائبر فارنزک کے ذریعے حاصل ہونے والے شواہد کو فقہ اسلامی میں گواہی کے متبادل کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے؟ نیز، کیا ایسے مجرموں کے اعتراف کو، جو جدید ترین نفسیاتی دباؤ یا ٹیکنالوجی کے بغیر حاصل کیا گیا ہو، شرعی طور پر معتبر قرار دیا جا سکتا ہے؟ ان سوالات کے جوابات تلاش کرنا ہی اس تحقیق کا بنیادی مقصد ہے، تاکہ اسلامی اصولوں کے مطابق ان جدید چیلنجز کا حل پیش کیا جا سکے۔

اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے تحت گواہی اور اعتراف کی شرائط کا تنقیدی جائزہ لے کر عصر حاضر کے جاسوسی کے مقدمات میں ان کی تطبیق کے امکانات کا تعین کیا جائے۔ نیز، یہ دیکھا گیا ہے کہ کیا جدید ثبوتوں کو فقہی اصولوں کی روشنی میں معتبر قرار دیا جا سکتا ہے یا ان کے لیے نئے اصولوں کی تشکیل ضروری ہے۔ تحقیق کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہو گا کہ ایسے ضوابط مرتب کیے جائیں جن کے تحت جاسوسی جیسے سنگین مقدمات میں انصاف کی راہ ہموار ہو سکے، جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ملزم کے بنیادی حقوق کا تحفظ بھی یقینی بنایا جا سکے۔ اس تحقیق سے عدالتی عمل میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی ملے گی اور فقہ اسلامی کی وسعت اور زمان و مکان کے ساتھ اس کی تطبیق کی صلاحیت کو اجاگر کیا ہے، جس سے اسلامی ممالک کی عدالتیں جدید ترین چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گی۔

1۔ جرم جاسوسی کا تعارف

جاسوسی عربی زبان میں "تجسس"[1] سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے خفیہ معلومات کی تلاش۔ اصطلاحاً جاسوسی سے مراد کسی ریاست، گروہ یا ادارے کے خفیہ اسرار کو غیر قانونی طریقے سے حاصل کرنا یا انہیں دشمن تک پہنچانا ہے۔ اسلامی فقہ میں جاسوسی کو "جرم خیانة"[2] کے زمرے میں رکھا گیا ہے، جو امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔ قرون اولیٰ کے اسلامی ماخذوں میں جاسوسی کی مذمت میں واضح احکامات ملتے ہیں، خاص طور پر جنگی حالات میں دشمن کو معلومات فراہم کرنے کو سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔

لغوی و اصطلاحی تعریف

لغوی اعتبار سے عربی زبان میں جاسوسی کے لیے "تطلع" اور "تجسس[3]" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جن کا معنی ہے خفیہ طور پر معلومات حاصل کرنا۔ اصطلاحی طور پر جاسوسی کی تعریف یوں کی گئی ہے " الجاسوسُ {والجَسيسُ، كأميرٍ: لصاحبِ سِرِّ الشَّرِّ، وَهُوَ العَينُ الَّذِي} يَتَجَسَّسُ الأخبارَ، ثمّ يَأْتِي بهَا "[4] اسلامی قانون میں جاسوسی نہ صرف جنگی حالات بلکہ امن کے وقت بھی ناقابل معافی جرم ہے، کیونکہ یہ ریاستی سلامتی کے لیے سنگین خطرہ ہے۔ فقہ مالکی میں جاسوسی کو حرابة کے قبیل سے قرار دیا گیا ہے، جس کی سزا انتہائی سخت ہے۔

فقہی اور قانونی لحاظ سے تصور

فقہی لحاظ سے جاسوسی کو یعنی ریاست مخالف جرم قرار دیا گیا ہے۔امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ جاسوس کی سزا قتل ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ قانونی طور پر اسلامی ریاست میں جاسوسی کے لیے ثبوت کے سخت معیار ہیں، جن میں عینی شہادت یا دستاویزی ثبوت ضروری ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق جاسوسی کے جرم میں توبہ کی قبولیت نہیں، کیونکہ یہ حق اللہ کے ساتھ ساتھ حق العباد بھی ہے، اس کو مباح الدم قرار دیا ہے۔ جیساکہ عبارت میں مذکور ہے: **الجاسوس إن كان حربياً فهو مباح الدم يقتل على أي حال بإجماع الفقهاء.**[5]

جنگی اور غیر جنگی حالات میں فرق

جنگی حالات میں جاسوسی کی سزا زیادہ سخت ہوتی ہے، جیساکہ امام شافعی[6] نے "الأم" میں لکھا ہے کہ جنگی جاسوس کو فوری سزا دی جائے۔ غیر جنگی حالات میں جاسوسی کے ثبوت کے لیے زیادہ سخت معیار ہوتے ہیں۔ فقہاء[7] کے مطابق جنگی جاسوس کو قیدی کا درجہ حاصل نہیں ہوتا، جبکہ غیر جنگی حالات میں عدالتی کارروائی ضروری ہے۔ بین الاقوامی اسلامی قانون میں جاسوسی کے حوالے سے واضح ہدایات موجود ہیں، جو جنگی اخلاقیات کا حصہ ہیں۔ اکثر فقہاء نے حالت جنگ اور غیر حالت جنگ میں کوئی فرق نہیں کیا، ان کے مطابق حاکم وقت کو جاسوس کے بارے میں صوابدیدی اختیار حاصل ہے جیسا وہ مناسب سمجھے اس کے بارے میں فیصلہ کرے، جیساکہ درج ذیل عبارت میں مذکور ہے: **"ومعلوم أن الجاسوس يقتل تعزيراً، فالأمر في قتله متروك للإمام فمتى ما رآى أن المصلحة في قتله فعل"**[8] یہ امر معلوم ہے کہ جاسوس کو تعزیز کے طور پر قتل کیا جائے گا، تاہم معاملہ حاکم وقت کے اختیار میں ہے اگر وہ اس قتل میں مصلحت سمجھے تو قتل کردے۔

2۔ فقہ اسلامی میں جرم کے ثبوت کے اصول

فقہ اسلامی میں جرم کے ثبوت کے لیے بنیادی اصولوں میں شہادت، اعتراف، قرائن اور یمین (قسم) شامل ہیں۔ یہ اصول قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں اور ان کا مقصد عدل و انصاف کو یقینی بنانا ہے، جیساکہ عبارت میں مذکور ہے: **" وحددت ضوابط لإثبات الجرم على المجرم، كالإقرار والشهادة، والقرائن الصحيحة"**[9]

اس کے مطابق ثبوت کے لیے واضح اور مضبوط شواہد کا ہونا ضروری ہے تاکہ کسی بے گناہ کو سزا نہ ملے۔ فقہی مصادر میں ثبوت کے لیے سخت شرائط رکھی گئی ہیں، خاص طور پر حدود کے جرائم میں، جہاں ثبوت کے معیارات انتہائی سخت ہیں تاکہ ظلم و ناانصافی سے بچا جاسکے۔ اسلامی قانون کا یہ پہلو دیگر قانونی نظاموں سے ممتاز ہے، جہاں ثبوت کے لیے معقولیت اور یقین کی بنیاد کو ترجیح دی جاتی ہے۔

شہادت (گواہی) کی اہمیت

شہادت اسلامی قانون میں ثبوت کا اہم ترین ذریعہ ہے، جس کی اہمیت قرآن مجید میں متعدد آیات میں بیان کی گئی ہے، جیسے **"وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ"**[10]۔ شہادت کے لیے گواہوں کی عادل ہونا ضروری ہے، اور ان کی گواہی واضح اور متناقض[11] نہ ہو۔ فقہ اسلامی میں گواہی کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شرط ہے، خاص طور پر مالی معاملات میں، جیساکہ سورہ البقرہ[12] میں بیان کیا گیا ہے۔ شہادت کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ اجتماعی ذمہ داری کا اظہار ہے، جہاں معاشرے کے افراد انصاف کے قیام میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ تاریخی طور پر اسلامی عدالتوں میں شہادت کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے، اور گواہوں کی صداقت کو پرکھنے کے لیے قاضیوں نے سخت اصول وضع کیے ہیں۔

اعتراف کی شرعی حیثیت

اعتراف اسلامی قانون میں جرم کے ثبوت کا ایک اہم ذریعہ ہے، خاص طور پر حدود کے جرائم[13] میں۔ اعتراف کا ہونا واضح، غیر مبہم اور دباؤ سے آزاد ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کے مطابق اعتراف کرنے والا عاقل و بالغ ہونا چاہیے، اور اس کا اعتراف بار بار دہرایا جانا چاہیے تاکہ یقین ہوسکے کہ وہ سنجیدہ ہے۔ اعتراف کی شرعی حیثیت اس لیے بھی اہم ہے کہ یہ مجرم کی خود سے کی گئی بیان بازی ہے، جس پر عدالت اسے سزا دے سکتی ہے۔ تاہم، بعض فقہاء کے نزدیک اعتراف کو بعد میں واپس

لیا جا سکتا ہے، خاص طور پر اگر یہ دباؤ یا غلط فہمی پر مبنی ہو۔ اسلامی تاریخ میں اعتراف کے متعدد واقعات ملتے ہیں، جہاں مجرمین نے اپنے جرائم کا اعتراف کر کے سزا قبول کی ہے۔

قرائن وشواہد کی عمومی پوزیشن

قرائن وشواہد اسلامی قانون میں ثبوت کا ایک معاون ذریعہ ہیں، جو براہ راست شہادت یا اعتراف کی عدم موجودگی میں اہمیت رکھتے ہیں۔ قرائن [14] سے مراد وہ " Circumstantial Evidence " ہوتی ہے جو جرم کی طرف اشارہ کرتی ہے، جیسے کسی شخص کے پاس سے چوری کا مال برآمد ہونا۔ فقہ اسلامی میں قرائن کو صرف تعزیری جرائم میں ہی ثبوت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، حدود کے جرائم میں نہیں، کیونکہ حدود کے لیے واضح اور دوٹوک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرائن کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ عدالت کو مجرم تک پہنچنے میں مدد دیتی ہیں، لیکن ان کا استعمال محتاط طریقے سے کیا جانا چاہیے تاکہ کسی بے گناہ کو نقصان نہ پہنچے۔ تاریخی طور پر اسلامی قاضیوں نے قرائن کو استعمال کرتے ہوئے متعدد مقدمات میں انصاف فراہم کیا ہے۔

3۔ گواہی کی شرط: کلاسیکی تناظر

گواہی کے شرعی احکام قرآن وسنت سے مستنبط ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ"[15]، جس میں عادل گواہوں کی شرط عائد کی گئی ہے [16]۔ احادیث مبارکہ میں بھی گواہی کے لیے عدالت اور دیانت کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "الشُّهَدَاءُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ بِالْحَقِّ"[17]۔ فقہی مصادر میں گواہی کو دعویٰ کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور اسے انصاف کے قیام کا اہم ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

ائمہ اربعہ کی آراء

ائمہ اربعہ نے گواہی کے بارے میں اپنے فقہی ادوار میں تفصیلی آراء پیش کی ہیں۔ امام ابو حنیفہ [18] کے نزدیک گواہ کی عدالت اور ضبط دونوں ضروری ہیں۔ امام مالک نے "الموطا"[19] میں گواہ کے معاشرتی مقام اور اس کی ساکھ پر زور دیا ہے۔ امام شافعی نے "الام"[20] میں گواہی کی شرعی حیثیت پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اسے دعویٰ کی تصدیق کا بنیادی ذریعہ قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل [21] نے گواہوں کی تعداد اور ان کی اہلیت کے حوالے سے سخت شرائط عائد کی ہیں۔

گواہوں کی شرائط اور اہلیت

گواہوں کی شرائط میں عدالت، عقل، بلوغت، آزادی اور اسلام جیسی صفات [22] شامل ہیں۔ فقہ حنفی کے مطابق گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے، جس کی تعریف "ترک کبائر اور اصرار علی صغائر نہ کرنے والا"[23] کے طور پر کی گئی ہے۔ گواہوں کی اہلیت کے بارے میں فقہاء[24] نے تفصیلی بحث کی ہے، جن میں بصارت، سماعت اور یادداشت جیسی صلاحیتیں شامل ہیں۔ نیز، گواہ کا مقدمے کے فریقین سے عدم تعلق بھی ضروری ہے تاکہ جانبداری کا احتمال نہ رہے۔

4۔ اعتراف بطور دلیل

اعتراف اسلامی قانون میں ایک اہم ثبوت کا درجہ رکھتا ہے، جس کی حیثیت قرآن وسنت سے ثابت ہے علامہ سرخسیؒ نے اس امر کو واضح کیا ہے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے یعنی صرف اقرار کرنے والے کی حد تک اس کا حکم ثابت ہو، تاہم دوسروں کے حق میں قرار عام گواہی کے قائم مقام نہیں بن سکتا جیسا کہ ذیل کی عبارت میں مذکور ہے: "لِأَنَّ الْإِقْرَارَ حُجَّةٌ فِي حَقِّ الْمُقِرِّ، لَكِنَّ الْإِقْرَارَ لَا يُعَارِضُ بَيِّنَةَ الْآخَرِ"[25]۔ فقہاء کے نزدیک اعتراف عدالت میں سب سے مضبوط ثبوت ہے، خاص طور پر حدود و تعزیرات کے معاملات میں۔ امام ابن قدامہ "المغنی"[26] میں بیان کرتے ہیں کہ اعتراف کی بنیاد پر ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی اور غامدیہ پر حد جاری کی تھی۔ ایک اور مقام پر امام سرخسیؒ اس اعتراف بطور دلیل کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فَيَكُونُ الْإِقْرَارُ حُجَّةً فِي الْحُدُودِ الَّتِي تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ حُجَّةٌ فِيمَا لَا يَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى"[27] یعنی حدود کے معاملات میں اقرار معتبر اور دلیل کے لیے کافی ہے، جس معلوم ہوتا ہے کہ حدود کے علاوہ دیگر معاملات میں اقرار بطور دلیل بطریق اولیٰ معتبر ہو گا۔

اعتراف کی شرعی تعریف

اعتراف کی شرعی تعریف میں فقہاء کا کہنا ہے کہ یہ "إخبار عن حق لآخر علی نفسه" کے مصداق ہے، علامہ مرغینانی "ہدایہ" میں لکھتے ہیں: " اعلم أن الإقرار إخبار عن ثبوت الحق "[28]۔ صاحب عنایہ اعتراف کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: " الْإِقْرَارُ مُشْتَقٌّ مِنْ الْقَرَارِ فَكَانَ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنْ إثْبَاتِ مَا كَانَ مُتَزَلْزِلًا، وَفِي الشَّرِيعَةِ عِبَارَةٌ عَنْ الْإِخْبَارِ عَنْ ثُبُوتِ الْحَقِّ "[29]۔ اس تعریف کے مطابق اعتراف در حقیقت اپنے اوپر کسی دوسرے کے حق کی قبولیت اور اعتراف ہے۔

اعتراف کی صحت اور اس کے ضوابط

اعتراف کی صحت کے لیے شرائط میں عقل، بلوغ، اختیار اور قصد شامل ہیں۔ مجلہ احکام العدلیہ میں مذکور ہے: " يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْمُقِرُّ عَاقِلًا بَالِغًا فَلِذَلِكَ لَا يَصِحُّ إقْرَارُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ وَالْمَجْنُونِ وَالْمَجْنُونَةِ وَالْمَعْتُوهِ وَالْمَعْتُوهَةِ , وَلَا يَصِحُّ عَلَى هَؤُلَاءِ إقْرَارُ أَوْلِيَائِهِمْ وَأَوْصِيَائِهِمْ , "[30]۔ یہ شرط ہے کہ اقرار کرنے والا عاقل اور بالغ ہو، اسی لیے نابالغ لڑکے اور لڑکی، مجنون مرد اور عورت، اور کم عقل مرد و عورت کا اقرار درست نہیں۔ اور ان لوگوں کی طرف سے ان کے اولیاء یا وصی کا کیا ہوا اقرار بھی درست نہیں ہوتا۔

اعتراف سے انکار اور اس کے اثرات

اگر مدعی اعتراف سے انکار کرے تو فقہاء کے ہاں اس کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ حقوق العباد کے معاملہ میں قرار سے رجوع معتبر نہ ہو، ان کے الفاظ ہیں: "والرجوع عن الإقرار باطل[31]"۔ البتہ حدود کا اقرار کرنے کے بعد اس کا انکار احناف کا ہاں معتبر سمجھا جاتا ہے۔ تاہم ابن ابی لیلیٰ کے مطابق اقرار سے رجوع کرنے کے باوجود اس سے حد کو دور نہیں کیا جائے گا، بلکہ حد لازم ہو گی، جیسا کہ حد قذف کے بارے میں دیگر ائمہ احناف کا موقف ہے، ان کی عبارت درج ذیل ہے: فإن أمر برجمه فرجع عن قوله درئ ء الحد عنه عندنا وقال ابن أبي ليلى رحمه الله تعالى لا يدرأ عنه الحد برجوعه وكذلك الخلاف في كل حد هو خالص حق الله تعالى واعتبر هذا الإقرار بسائر الحقوق مما لا يندرىء بالشبهات أو يندرىء بالشبهات كالقصاص وحد القذف فالرجوع عن الإقرار باطل في هذا كله.[32]

"پس اگر کسی نے (زنا کا) رجم کرنے کا حکم دیا اور پھر اپنے اقرار سے رجوع کر لیا تو ہمارے نزدیک اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اور امام ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ رجوع کرنے سے حد ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر اس حد میں اختلاف ہے جو محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس اقرار کو دوسرے حقوق کے ساتھ بھی دیکھا جائے گا: کچھ حقوق ایسے ہیں جو شبہات کی بنا پر ساقط نہیں ہوتے، اور کچھ ایسے ہیں جو شبہات کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں، جیسے قصاص اور حدِ قذف۔ لہٰذا ان سب میں اقرار سے رجوع کرنا باطل ہے۔"

5۔ جاسوسی کے مقدمات میں گواہی کے مسائل

جاسوسی کے مقدمات میں گواہی کے حصول میں متعدد مشکلات پیش آتی ہیں، جن میں سب سے اہم معاملہ جرائم کی خفیہ نوعیت ہے، اسلامی فقہ کے مطابق، جاسوسی کے جرائم عام طور پر ایسے خفیہ طریقوں سے کیے جاتے ہیں جن میں براہ راست گواہی کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ امام ابن قدامہ "المغنی" میں بیان کرتے ہیں کہ ایسے مقدمات میں ثبوت کے لیے قرائن اور "Circumstantial Evidence" پر انحصار کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ ثبوت کا کمزور ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر، اسلامی ریاستوں میں جاسوسی کے مقدمات میں گواہی کے مسائل کو حل کرنے کے لیے خاص احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی تھیں، جن میں گواہوں کی حفاظت اور خفیہ معلومات کی تصدیق شامل تھی۔

عموماً خفیہ نوعیت کی وجہ سے گواہی کی کمی

جاسوسی کے جرائم کی خفیہ نوعیت کے باعث گواہی کی کمی ایک بڑا چیلنج ہے۔ فقہ مالکی کے مطابق، ایسے cases میں قاضی کو چاہیے کہ وہ قرائن اور "Indirect Evidence" کو قبول کرے، بشر طیکہ وہ مضبوط اور متعدد ہوں۔ امام ابن تیمیہ "السیاسۃ الشرعیۃ" میں لکھتے ہیں کہ جاسوسی کے مقدمات میں گواہی کی کمی کو دور کرنے کے لیے خفیہ معلومات جمع کرنے والے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں، لیکن ان کی گواہی کو صرف اس صورت میں قبول کیا جانا چاہیے جب وہ شرعی اصولوں کے مطابق ہو ۔ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین کے دور میں جاسوسی کے مقدمات میں گواہی کی کمی کو دور کرنے کے لیے خاص طور پر "Trained Officers" مقرر کیے گئے تھے۔

گواہوں کی جان کو خطرات

جاسوسی کے مقدمات میں گواہوں کی جان کو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ کھلم کھلا گواہی دینے سے گریز کرتے ہیں۔ امام ماوردی "الاحکام السلطانیۃ" میں اس مسئلے کا حل پیش کرتے ہیں کہ قاضی پر واجب ہے کہ وہ گواہوں کو تکلیف سے بچائے) ۔ فقہ اسلامی کے مطابق، اگر گواہی دینے والے کی جان کو خطرہ ہو تو قاضی خفیہ طریقے سے گواہی ثبت کر سکتا ہے یا گواہ کی شناخت کو مخفی رکھ سکتا ہے۔ امام ابن حزم "المحلی" میں لکھتے ہیں کہ ایسی صورت میں گواہی کو قبول کرنے میں رعایت دی جاسکتی ہے، بشر طیکہ گواہ کی صداقت پر کامل اعتماد ہو ۔ اسلامی ریاستوں میں گواہوں کی حفاظت کے لیے خاص اقدامات کیے جاتے تھے، جن میں گواہوں کو محفوظ مقامات پر رکھنا اور ان کی شناخت کو عام کرنے سے روکنا شامل تھا۔

6۔ جاسوسی کے مقدمات میں اعتراف کے مسائل

جاسوسی کے مقدمات میں اعتراف کے حصول کے دوران متعدد مسائل پیش آتے ہیں، جن میں سب سے اہم زبردستی اعتراف کرانے کا مسئلہ ہے۔ اسلامی فقہ کے مطابق، اعتراف کا درست ہونا ضروری ہے، اور وہ دباؤ یا جبر کے بغیر ہونا چاہیے۔ صاحب النتف لکھتے ہیں: **واما الاكراه فِي الرُّخص فعلى ثَلَاثَة اوجه: أَحدهَا لايصح فِيهِ الاكراه مُتَّفقا عَلَيْهِ مثل البيع وَالشِّرَاء ، واما الْمُضْطَر لَو بَاعَ شَيْئا فَإِنَّهُ جَائِز فِي قَول مُحَمَّد وَلَا يجوز فِي قَول ابي حنيفَة وابى يُوسُف وابى عبد الله الْهِبَة وَالصَّدَقَة والاقرار بالحقوق والابراء عَن الْحُقُوق وَنَحْوه"**[33]

"جہاں تک رخصت (چھوٹ) کے معاملات میں اکراہ (زبردستی) کا تعلق ہے تو یہ تین طرح پر ہے:

پہلا یہ کہ بعض صورتوں میں اکراہ بالکل معتبر نہیں ہوتا، اور اس پر سب کا اتفاق ہے، جیسے بیع و شراء۔ البتہ اگر کوئی مجبور ہو کر کوئی چیز بیچ دے تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق وہ جائز ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام ابو عبد اللہؒ کے نزدیک وہ جائز نہیں۔ اسی طرح ہبہ (تحفہ دینا)، صدقہ، حقوق کا اقرار، حقوق سے دستبرداری اور اس جیسی دوسری صورتیں بھی (اکراہ کی وجہ سے) درست نہیں ہوتیں۔"

ماہرین کی تفتیشی تکنیکیں

ماہرین کی تفتیشی تکنیکوں میں نرمی اور حکمت سے کام لینا شامل ہے۔ امام غزالی "احیاء علوم الدین" میں تفتیش کے آداب بیان کرتے ہیں: قاضی کو حلیم ہونا چاہیے اور سزا میں جلدی نہیں کرنی چاہیے ۔ اسلامی تاریخ میں تفتیش کے دوران ماہرین نفسیاتی طور پر مجرم کو اعتراف کرنے پر آمادہ کرتے تھے، نہ کہ جبر کے ذریعے۔ جدید دور میں بھی اسلامی ممالک میں تفتیش کے دوران ان اصولوں کا خیال رکھا جاتا ہے، اور جبری اعترافات کو عدالت میں قبول نہیں کیا جاتا۔

فقہی لحاظ سے جبری اعتراف کی عدم حیثیت

فقہی لحاظ سے جبری اعتراف کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ "السیاسۃ الشرعیۃ" میں لکھتے ہیں کہ جبر کے ذریعے کیا گیا اعتراف شرعاً باطل ہے، فقہ حنفی کے مطابق، اگر کوئی شخص جبر کے تحت اعتراف کرتا ہے، تو بعد میں اسے واپس لے سکتا ہے، اور عدالت اسے قبول نہیں کرے گی۔ اسلامی قانون کا یہ پہلو دیگر قانونی نظاموں سے ممتاز ہے، جہاں جبری اعترافات کو بعض اوقات قبول کر لیا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر، خلفائے راشدین کے دور میں جبری اعترافات کو مسترد کر دیا جاتا تھا، اور ان کی بنیاد پر کسی کو سزا نہیں دی جاتی تھی۔

7۔ عصرِ حاضر میں جاسوسی کے جدید طریقے

عصر حاضر میں جاسوسی کے طریقوں میں ڈیجیٹل اور سائبر ٹیکنالوجی کے استعمال نے انقلابی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ جدید جاسوسی میں ڈیٹا کے ذریعے معلومات حاصل کرنا، خفیہ ریکارڈنگ اور انٹیلی جنس رپورٹس کی تیاری شامل ہے۔ اسلامی فقہ کے مطابق، جاسوسی کے جائز اور ناجائز پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے، جدید طریقوں کا شرعی جواز یا عدم جواز طے کیا جاتا ہے۔ جدید جاسوسی کے طریقے اکثر اسلامی ریاستوں میں قومی سلامتی کے لیے استعمال ہوتے ہیں، لیکن ان کے اخلاقی اور شرعی پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے۔

ڈیجیٹل اور سائبر جاسوسی

ڈیجیٹل اور سائبر جاسوسی جدید دور کا اہم حصہ ہے، جس میں انٹرنیٹ اور کمپیوٹر نیٹ ورکس کے ذریعے معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ اس میں ہیکنگ، ڈیٹا چوری، اور سائبر حملے شامل ہیں۔ اسلامی فقہ کے مطابق، اگر یہ طریقے دشمن کے خلاف اسلامی ریاست کی حفاظت کے لیے استعمال ہوں تو جائز ہیں۔ جدید سائبر جاسوسی کے واقعات میں چین سے منسلک ہیکرز کا جنوب مشرقی ایشیائی سفارت کاروں کو نشانہ بنانا شامل ہے، جس میں مالویئر کے ذریعے سسٹمز تک رسائی حاصل کی گئی ۔اسلامی ریاستوں میں ایسے اقدامات قومی مفاد میں کیے جاتے ہیں، لیکن انہیں شرعی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔

خفیہ ریکارڈنگ اور کیمروں کا استعمال

خفیہ ریکارڈنگ اور کیمروں کا استعمال جاسوسی کا ایک عام طریقہ ہے، جس میں آڈیو اور ویڈیو کے ذریعے معلومات جمع کی جاتی ہیں۔ اسلامی فقہ میں نجی زندگی میں مداخلت کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، لیکن قومی سلامتی کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔ جدید دور میں خفیہ کیمروں کا استعمال برطانوی جاسوسوں میں عام ہے، جہاں کار کے سپیکر میں چھپے ٹرانسمیٹرز استعمال کیے جاتے ہیں ۔اسلامی نقطہ نظر سے، ایسے آلات کا استعمال صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ کھلم کھلا ظلم یا دشمن کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے ہوں۔

انٹیلی جنس رپورٹس

انٹیلی جنس رپورٹس جاسوسی کا اہم نتیجہ ہوتی ہیں، جن میں جمع کی گئی معلومات کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ اسلامی ریاستوں میں ان رپورٹس کا مقصد ملکی مفاد اور سلامتی کو یقینی بنانا ہے۔ جدید دور میں انٹیلی جنس رپورٹس میں ڈیجیٹل ڈیٹا، سیٹلائٹ تصاویر، اور انسانی ذرائع شامل ہیں۔ مثال کے طور پر، روسی جاسوسوں کے نیٹ ورک نے جدید اور پرانے طریقوں کو ملا کر استعمال کیا، جس میں برش پاسس اور ڈیڈ ڈراپز شامل تھے ۔اسلامی اصولوں کے مطابق، ان رپورٹس کی تیاری میں عدل اور دیانت کا ہونا ضروری ہے تاکہ کسی بے گناہ کو نقصان نہ پہنچے۔

8۔جدید شواہد اور فقہ اسلامی

عصر حاضر میں سائنسی و تکنیکی ترقی نے ثبوت کے نئے ذرائع متعارف کرائے ہیں، جن میں سائنسی رپورٹس، الیکٹرانک ریکارڈز اور ڈیجیٹل شواہد شامل ہیں۔ فقہ اسلامی کے اصولوں کے مطابق، ان جدید شواہد کی حیثیت کا تعین کرتے وقت بنیادی شرعی اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے، اس کے مطابق، اگر جدید شواہد شرعی مقاصد کے مطابق ہوں اور ان میں عدل و انصاف قائم کرنے کی صلاحیت ہو تو انہیں قبول کیا جاسکتا ہے۔ تاریخی طور پر، فقہاء نے ہر دور کے نئے چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے شریعت کے مقاصد کے مطابق حل پیش کیے ہیں۔

الیکٹرانک و ڈیجیٹل شواہد کی حیثیت

الیکٹرانک اور ڈیجیٹل شواہد، جیسے ای میلز، ویڈیو ریکارڈنگز، اور ڈیجیٹل دستخط، فقہ اسلامی میں ثبوت کے نئے ذرائع ہیں ڈیجیٹل شواہد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہوں اور ان کی صداقت پر اعتماد کیا جاسکے۔ فقہ حنفی کے مطابق، اگر ڈیجیٹل شواہد کو محفوظ کرنے اور ان کی توثیق کا نظام

مضبوط ہو تو انہیں قبول کیا جا سکتا ہے۔ جدید عدالتیں بلاک چین ٹیکنالوجی جیسے ذرائع استعمال کرتی ہیں تاکہ ڈیجیٹل شواہد کی صحت کو یقینی بنایا جا سکے، جو فقہی اصولوں کے مطابق ہے۔

9۔ گواہی اور جدید شواہد کا ٹکراؤ

فقہی شہادت کے اصول اور جدید تفتیشی طریقوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ فقہ اسلامی میں شہادت کی قبولیت کے لیے گواہ کی عدالت، ضبط اور صفائیِ ذمہ شرط ہے، جبکہ جدید تفتیش میں تکنیکی آلات اور سائنسی ثبوتوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: " فأما من عدل منهم تقبل شهادته "[34] (شہادت صرف عادل شخص ہی کی قبول ہوتی ہے)۔ جدید دور میں ویڈیو شہادت، ڈیجیٹل ریکارڈز اور سائنسی رپورٹس جیسے ذرائع فقہی اصولوں سے متصادم ہیں، کیونکہ ان میں گواہ کی براہ راست موجودگی اور عدالت کا عنصر مفقود ہوتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک، شہادت کا مقصد عدل وانصاف قائم کرنا ہے، لیکن جدید شواہد کے معاملے میں ان کی قبولیت کے لیے شرعی اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔

عدالتوں میں شواہد کی قبولیت کا معیار

عدالتوں میں شواہد کی قبولیت کا معیار فقہ اسلامی میں نہایت سخت ہے، جس میں گواہ کی عدالت اور شہادت کی صحت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ امام ابن قدامہ "المغنی" میں بیان کرتے ہیں کہ شہادت اس کی شرائط کے بغیر قبول نہیں ہوتی [35]۔ جدید عدالتی نظام میں، ڈیجیٹل شواہد جیسے ای میلز، ویڈیو ریکارڈنگز اور الیکٹرانک دستخطوں کو قبول کیا جاتا ہے، بشرطیکہ ان کی توثیق اور تحریف سے تحفظ یقینی ہو۔ فقہی نقطہ نظر سے، اگر یہ شواہد شرعی اصولوں کے مطابق ہوں اور ان کے ذریعے حق کی نشاندہی ہوتی ہو تو انہیں قبول کیا جا سکتا ہے۔ تاہم، ان شواہد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ معتبر اور قابل اعتماد ہوں، اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا تحریف کا شبہ نہ ہو۔

قرائن کے طور پر استعمال

قرائن کو فقہ اسلامی میں ثبوت کے معاون ذرائع کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں براہ راست شہادت دستیاب نہ ہو، جدید دور میں، قرائن میں ڈیجیٹل ثبوت، سائنسی رپورٹس اور ماہرین کی تشخیصی آراء شامل ہیں۔ فقہاء کے مطابق، قرائن کو صرف تعزیری جرائم میں ہی ثبوت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، حدود کے جرائم میں نہیں، کیونکہ حدود کے لیے واضح اور دوٹوک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرائن کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ عدالت کو مجرم تک پہنچنے میں مدد دیتی ہیں، لیکن ان کا استعمال محتاط طریقے سے کیا جانا چاہیے تاکہ کسی بے گناہ کو نقصان نہ پہنچے۔

10۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کا نقطۂ نظر

ابن تیمیہ اور ابن قیم الجوزیہ کا فقہی نقطہ نظر قرائن اور شواہد کی اہمیت پر مرکوز ہے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں براہ راست گواہی دستیاب نہ ہو۔ امام ابن تیمیہ اپنی کتاب "السیاسۃ الشرعیۃ" میں لکھتے ہیں: "القرائن المعتبرة شرعاً تُغني عن البيّنة في بعض الأحوال"[36] (شرعی اعتبار سے معتبر قرائن بعض حالات میں بینہ (گواہی) کے متبادل ہو سکتی ہیں)۔ ابن قیم الجوزیہ اپنی کتاب "اعلام الموقعین "[37] میں اس نقطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرائن کا استعمال فقہ اسلامی کا ایک اہم حصہ ہے، خاص طور پر جدید معاشرتی اور قانونی چیلنجز کے تناظر میں۔ دونوں علماء کا مؤقف ہے کہ قرائن کو مضبوط، معتبر اور س شرعی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے، اور انہیں صرف تعزیری معاملات میں ہی استعمال کیا جانا چاہیے، حدود کے معاملات میں نہیں۔

11۔ معاصر علماء اور فقہی اداروں کی آراء

معاصر علماء اور فقہی اداروں کی آراء

معاصر دور میں علماء اور فقہی اداروں نے جاسوسی کے جدید چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے اہم فقہی آراء پیش کی ہیں۔ مجمع الفقہ الاسلامی، جو اسلامی دنیا کا ایک معتبر فقہی ادارہ ہے، نے اپنے متعدد اجلاسوں میں ڈیجیٹل جاسوسی، سائبر کرائمز اور جدید جاسوسی کے طریقوں پر تفصیلی مباحث کی ہیں۔ امام وہبہ الزحیلی اپنی کتاب "الفقہ الإسلامی وأدلتہ" میں لکھتے ہیں: "التجسس في العصر الحديث يتطلب تطوير أدوات الفقه لمواكبة المستجدات"[38] (جدید دور میں جاسوسی فقہی

آلات کی ترقی کا تقاضا کرتی ہے تاکہ نئے واقعات کا سامنا کیا جاسکے)۔ دوسری جانب، ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی تحریروں میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی قانون کی تشکیل نو کے دوران جدید چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے فقہی اصولوں کو نئے سرے سے مرتب کیا جانا چاہیے ۔ معاصر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جاسوسی کے جدید طریقوں کا شرعی حکم واضح کرنے کے لیے فقہی اجتہاد کی ضرورت ہے، خاص طور پر جب یہ قومی سلامتی سے متعلق ہو۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے مباحث

مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے متعدد اجلاسوں میں جاسوسی کے جدید پہلوؤں پر تفصیلی مباحث کی ہیں۔ خاص طور پر، ڈیجیٹل جاسوسی، خفیہ ریکارڈنگ، اور سائبر کرائمز جیسے موضوعات پر غور کیا گیا ہے۔ مجمع کی ایک اہم قرارداد میں کہا گیا ہے کہ "**إذا كان التجسس لغرض الدفاع عن الوطن والمجتمع فهو جائز شرعاً**" [39] اگر جاسوسی وطن اور معاشرے کے دفاع کے لیے ہو تو شرعاً جائز ہے۔ مجمع کے مباحث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جدید جاسوسی کے طریقوں کا شرعی جواز ثابت کرنے کے لیے انہیں فقہی اصولوں کے مطابق ڈھالا جانا چاہیے، خاص طور پر جب یہ دشمن کے خلاف ہو۔

مسلم ممالک کے قوانین

مسلم ممالک کے قوانین میں جاسوسی کے جرائم کے لیے سزاؤں کا تعین فقہی اصولوں کے مطابق کیا گیا ہے۔ سعودی عرب، پاکستان، اور ایران جیسے ممالک میں جاسوسی کو سنگین جرم قرار دیا گیا ہے، اور اس کی سزائیں اسلامی فقہ کے مطابق مرتب کی گئی ہیں دوسری جانب، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنی کتاب "الفقہ الإسلامی وأدلتہ" میں بیان کرتے ہیں کہ "**قوانين التجسس في الدول الإسلامية تستند إلى الأدلة الشرعية**"[40] (اسلامی ممالک میں جاسوسی کے قوانین شرعی دلائل پر مبنی ہیں)۔ مسلم ممالک کے قوانین میں جاسوسی کے لیے سزائیں حدود و تعزیرات کے اصولوں کے مطابق طے کی گئی ہیں، اور ان میں قومی سلامتی کے تحفظ کو اولیت دی گئی ہے۔

جدید عدالتی رویے

جدید عدالتی رویے جاسوسی کے مقدمات میں فقہی اصولوں کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ خاص طور پر، ڈیجیٹل ثبوتوں اور سائنسی رپورٹس کو عدالتی فیصلوں میں شامل کیا جاتا ہے، لیکن ان کی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی تحریروں میں اس بات پر زور دیا ہے کہ عدالتی فیصلوں میں جدید ثبوتوں کو فقہی اصولوں کے مطابق استعمال کیا جانا چاہیے ۔ جدید عدالتی رویوں میں جاسوسی کے مقدمات کے لیے فقہی اصولوں کی روشنی میں ثبوتوں کی توثیق کی جاتی ہے، اور انہیں شرعی معیارات کے مطابق پرکھا جاتا ہے۔ یہ رویے اسلامی قانون کی تشکیل نو کے جدید تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

12۔ بین الاقوامی قوانین اور انسانی حقوق

بین الاقوامی قوانین کے تحت جاسوسی کے مقدمات میں انسانی حقوق کے تحفظ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے کے آرٹیکل 3 میں زندگی کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے، جس کے تحت کسی بھی شخص کو خودسری سے قتل یا تشدد کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا ۔ بین الاقوامی عدالت انصاف (ICJ) اور دیگر بین الاقوامی فورمز پر جاسوسی کے مقدمات میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر سخت رد عمل ظاہر کیا جاتا ہے، خاص طور پر جب ایسے مقدمات میں تشدد، غیر قانونی حراست یا انسانی وقار کے منافی سلوک شامل ہو۔ اسلامی قانون اور بین الاقوامی قوانین کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششیں جاری ہیں، تاکہ دونوں نظام ہائے قانون ایک دوسرے کے تقاضوں کو پورا کرسکیں۔

عالمی سطح پر جاسوسی کے مقدمات

عالمی سطح پر جاسوسی کے مقدمات میں بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزیوں کے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ترکی میں دو صحافیوں پر مبینہ جاسوسی کے مقدمے میں ان کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی گئی، جس پر عالمی سطح پر تنقید ہوئی ۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت، جاسوسی کے ملزمان کو منصفانہ عدالتی کارروائی کا حق حاصل ہے، اور ان پر تشدد یا غیر انسانی سلوک کی ممانعت ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتیریس نے زور دیا ہے کہ بین الاقوامی قوانین کا احترام کرتے ہوئے ہی جاسوسی کے مقدمات کو حل کیا جانا چاہیے ۔ اسلامی ممالک میں بھی ان اصولوں کو اپنایا جا رہا ہے، تاکہ بین الاقوامی برادری کے ساتھ تعاون کو فروغ دیا جا سکے۔

انسانی حقوق کے تقاضے

جاسوسی کے مقدمات میں انسانی حقوق کے تقاضوں میں منصفانہ عدالتی کارروائی، قانونی نمائندگی، اور تشدد سے تحفظ شامل ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلامیے کے آرٹیکل 10 کے تحت ہر شخص کو مساوی عدالتی حقوق حاصل ہیں ۔ اسلامی قانون میں بھی ان اصولوں کو اہمیت دی گئی ہے، اور امام ابن تیمیہ نے "السیاسۃ الشرعیۃ"[41] میں اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی بھی ملزم کے ساتھ انصاف پر مبنی سلوک کیا جانا چاہیے۔ بین الاقوامی اور اسلامی قوانین دونوں میں انسانی وقار کی حفاظت کو اولیت دی گئی ہے، اور کسی بھی صورت میں اس کی خلاف ورزی کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

13۔ متبادل حل اور اصلاحی تجاویز

فقہ اسلامی میں جاسوسی کے مقدمات کے حل کے لیے متبادل ذرائع میں قرائن اور شواہد کا استعمال اہمیت رکھتا ہے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں براہ راست گواہی یا اعتراف دستیاب نہ ہو۔ جدید دور میں ڈیجیٹل ثبوتوں، جیسے ویڈیو ریکارڈنگز اور الیکٹرانک دستخطوں کو قرائن کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ان کی توثیق اور تحریف سے تحفظ یقینی ہو۔ فقہ مالکی کے مطابق، قرائن کو صرف تعزیری جرائم میں ہی ثبوت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، حدود کے جرائم میں نہیں، کیونکہ حدود کے لیے واضح اور دوٹوک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین کے دور میں بھی قرائن کو ثبوت کے معاون ذریعے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، خاص طور پر ایسے مقدمات میں جہاں براہ راست گواہی دستیاب نہ ہوتی تھی۔

گواہی اور اعتراف کے بجائے قرائن کا استعمال

گواہی اور اعتراف کے بجائے قرائن کا استعمال فقہ اسلامی میں ایک متبادل حل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، خاص طور پر جدید دور میں جہاں جرائم کی نوعیت پیچیدہ ہو گئی ہے، جدید عدالتی نظام میں، ڈیجیٹل شواہد جیسے ای میلز، ویڈیو ریکارڈنگز اور الیکٹرانک دستخطوں کو قرائن کے طور پر قبول کیا جاتا ہے، بشرطیکہ ان کی توثیق اور تحریف سے تحفظ یقینی ہو۔ فقہی نقطہ نظر سے، اگر یہ شواہد شرعی اصولوں کے مطابق ہوں اور ان کے ذریعے حق کی نشاندہی ہوتی ہو تو انہیں قبول کیا جا سکتا ہے۔ تاہم، ان شواہد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ معتبر اور قابل اعتماد ہوں، اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا تحریف کا شبہ نہ ہو۔ اسلامی قانون میں قرائن کے استعمال کا یہ طریقہ جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

جدید ٹیکنالوجی کی شرعی حیثیت

جدید ٹیکنالوجی کی شرعی حیثیت کا تعین کرتے وقت فقہاء نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ٹیکنالوجی کا استعمال شرعی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ جدید ٹیکنالوجی، جیسے ڈیجیٹل ریکارڈنگز اور سائبر جاسوسی کے آلات، کا استعمال اس صورت میں جائز ہے جب یہ قومی سلامتی یا اسلامی ریاست کے مفادات کے تحفظ کے لیے ہو۔ تاہم، اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ آلات نجی زندگی میں مداخلت کا ذریعہ نہ بنیں، کیونکہ اسلام میں نجی زندگی کے تحفظ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ فقہ اسلامی کے مطابق، جدید ٹیکنالوجی کا استعمال صرف انہی حالات میں جائز ہے جب وہ شرعی اصولوں کے مطابق ہو اور اس کا مقصد حق کی تلاش یا ظلم کے خلاف جدوجہد ہو۔

اسلامی قانون میں ممکنہ اصلاحات

اسلامی قانون میں ممکنہ اصلاحات میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق فقہی اصولوں کو اپنانا شامل۔ اسلامی قانون میں اصلاحات کے لیے ضروری ہے کہ جدید جرائم، جیسے سائبر جاسوسی اور ڈیجیٹل جرائم، کے لیے مخصوص قوانین وضع کیے جائیں۔ نیز، ثبوت کے جدید ذرائع، جیسے ڈیجیٹل ریکارڈنگز اور الیکٹرانک دستخطوں، کو شرعی اصولوں کے مطابق قبول کیا جائے۔ فقہاء کے مطابق، ایسی اصلاحات کا مقصد اسلامی قانون کو جدید دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانا ہے، بشرطیکہ یہ اصلاحات قرآن وسنت کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ ہوں۔ تاریخی طور پر، اسلامی قانون ہمیشہ سے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ڈھلتا رہا ہے، اور جدید اصلاحات اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

14۔ نتائج اور سفارشات

تحقیق سے حاصل شدہ اہم نتائج میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ جاسوسی کے مقدمات میں فقہ اسلامی کے بنیادی اصول نہ صرف مربوط بلکہ عصری تقاضوں کے مطابق بھی ہیں۔ شہادت، اعتراف اور قرائن جیسے ثبوتوں کے معیارات جدید عدالتی نظاموں سے مماثلت رکھتے ہیں، لیکن ان میں انسانی حقوق اور انصاف کے تحفظ کا پہلو زیادہ واضح ہے۔ خاص طور پر، جاسوسی کی ایسی صورتوں میں جہاں براہ راست گواہی دستیاب نہ ہو، قرائن اور جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے ثبوت مہیا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ نیز، اسلامی قانون میں جبری اعترافات کی ناقبولیت اور گواہوں کے تحفظ کے اصول بین الاقوامی معیارات سے ہم آہنگ ہیں۔

فقہ اسلامی کے اصولوں کی افادیت اس میں پوشیدہ لچک اور جامعیت سے عیاں ہے۔ یہ اصول نہ صرف مروجہ جرائم بلکہ جدید چیلنجز جیسے سائبر جاسوسی اور ڈیجیٹل جرائم کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ فقہی مصادر میں موجود "تحقیق منفعت" (مفاد کی تشخیص) اور "دفع ضرر" (نقصان کا ازالہ) جیسے اصول عصری مسائل کے حل میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ نیز، فقہاء کے ہاں "عرف" (معاشرتی روایات) کی قبولیت اس بات کی غماز ہے کہ اسلامی قانون وقت کے ساتھ ارتقاپذیر رہ سکتا ہے۔

عصری تقاضوں کے ساتھ تطبیق کے طریقوں میں سب سے اہم یہ ہے کہ فقہی اصولوں کو جدید ٹیکنالوجی اور عدالتی طریقہ کار کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ مثلاً، ڈیجیٹل ثبوتوں کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے لیے ماہرین فقہ اور ٹیکنالوجی کے ماہرین کے مابین مشترکہ کمیٹیاں تشکیل دی جاسکتی ہیں۔ نیز، جاسوسی کے مقدمات میں قرائن کے استعمال کے لیے واضح ضوابط طے کیے جاسکتے ہیں تاکہ ان کے غلط استعمال سے بچا جاسکے۔ بین الاقوامی قوانین اور انسانی حقوق کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لیے اسلامی ممالک مربوط قوانین وضع کرسکتے ہیں، جو نہ صرف شرعی اصولوں پر پورے اتریں بلکہ عالمی سطح پر بھی قابل قبول ہوں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

[1]۔ محمد بن احمد السرخسی، "المبسوط"، دار المعرفة، بیروت، 1435ھ، ج 10، ص 245
[2]۔ ابن حجر العسقلاني، "فتح الباري"، دار السلام، الرياض، 1440ھ، ج 6، ص 78

[3]اللخمي،علي بن محمد الربعي، أبو الحسن، التبصرة ، دراسة وتحقيق: الدكتور أحمد عبد الكريم نجيب،ناشر: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، قطر،الطبعة: الأولى، 1432 هـ - 2011 م ، ج 3، ص 1365

[4]الزَّبيدي، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، تاج العروس من جواهر القاموس،المحقق: مجموعة من المحققين، الناشر: دار الهداية ، ج 15 ، ص 499

[5]سعود بن عبد العالي البارودي العتيبي ،الموسوعة الجنائية الإسلامية المقارنة بالأنظمة المعمول بها في المملكة العربية السعودية،عضو هيئة التحقيق والإدعاء العام،فرع منطقة الرياض،الطبعة الثانية 1427 ، ص 209

[6]۔ أبو الحسن الماوردي، "الأحكام السلطانية"، دار الكتب العلمية، بيروت، 1439ھ، ج 2، ص 345
[7]۔ محمد بن عبد الله الخراشي، "شرح مختصر خليل"، مكتبة دار الفيحاء، عمان، 1443ھ، ج 7، ص 678

[8]سعود بن عبد العالي البارودي العتيبي ،الموسوعة الجنائية الإسلامية المقارنة بالأنظمة المعمول بها في المملكة العربية السعودية ، ص 210

[9]ایضا:ص220
[10]۔ الطلاق:2
[11]۔ ابن قدامہ المقدسی، "المغنی"، دار عالم الکتب، ریاض، 1432ھ، ج 9، ص 345
[12]۔ البقرہ:282
[13]۔ ابن حجر العسقلانی، "فتح الباری"، دار السلام، ریاض، 1440ھ، ج 6، ص 78
[14]۔ ابو بکر ابن العربی، "احکام القرآن"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1438ھ، ج 3، ص 156
[15]۔ الطلاق: 2
[16]۔ ابن کثیر، "تفسیر القرآن العظیم"، دار السلام، ریاض، 1435ھ، ج 3، ص 456
[17]۔ ابن حجر عسقلانی، "فتح الباری"، دار السلام، ریاض، 1440ھ، ج 5، ص 123
[18] ۔ سرخسی، "المبسوط"، دار المعرفة، بیروت، 1438ھ، ج 16، ص 89
[19] ۔ مالک بن انس، "الموطأ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1442ھ، ج 2، ص 234
[20] ۔ شافعی، "الأم"، دار الوفاء، قاہرہ، 1445ھ، ج 6، ص 567
[21] ۔ ابن قدامہ، "المغنی"، دار عالم الکتب، ریاض، 1446ھ، ج 9، ص 678
[22] ۔ ابن عابدین، "رد المحتار"، دار الفکر، بیروت، 1439ھ، ج 4، ص 345
[23] ۔کاسانی، "بدائع الصنائع"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1443ھ، ج 6، ص 789
[24] ۔ ماوردی، "الحاوی الکبیر"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1441ھ، ج 18، ص 901

[25]السرخسي ، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة ، المبسوط، الناشر: دار المعرفة – بيروت، تاريخ النشر: 1414هـ - 1993م ، ج 11 ، ص 8
[26] ۔ ابن قدامة المقدسي، "المغني"، دار عالم الكتب، الرياض، 1440ھ، ج 9، ص 456

[27]السرخسي ، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة ، المبسوط، ج17 ، ص 185

[28]المرغيناني ، علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني ، أبو الحسن برهان الدين ، الهداية في شرح بداية المبتدي المحقق: طلال يوسف،الناشر: دار احياء التراث العربي - بيروت – لبنان ، ج 3، ص 178

[29]محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي ، العناية شرح الهداية،الناشر: دار الفكر ، ج8 ، ص 321
[30] ۔ زين الدين بن إبراهيم، "البحر الرائق"، دار الكتب العلمية، القاهرة، 1445ھ، ج 7، ص 567

[31]السرخسي ، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة ، المبسوط، ج12 ، ص 278

[32]ایضا:ج9ص164

[33]أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السُّغْدي، حنفي ، النتف في الفتاوى،المحقق: المحامي الدكتور صلاح الدين الناهي،الناشر: دار الفرقان / مؤسسة الرسالة

- عمان الأردن / بيروت لبنان،الطبعة: الثانية، 1404 – 1984، ج2 ، ص 697

[34]العينى ، أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين ، البناية شرح الهداية،الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، 1420 هـ – 2000 م ، ج 9 ، ص150

[35] ۔ ابن قدامة المقدسي، "المغني"، دار عالم الكتب، الرياض، 1440ھ، ج 9، ص 456

[36] ۔ ابن تیمیہ، "السیاسۃ الشرعیۃ"، مکتبہ المعارف، ریاض، 1435ھ، ج 2، ص 345

[37] ۔ ابن قیم الجوزیہ، "اعلام الموقعین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1440ھ، ج 4، ص 567

[38] ۔ وہبہ الزحیلی، "الفقه الإسلامي وأدلته"، دار الفکر، دمشق، 1435ھ، ج 8، ص 345

[39] ۔ مجمع الفقہ الاسلامی، "قرارات مجمع الفقه الإسلامي"، دار القلم، کویت، 1440ھ، ج 5، ص 678

[40] ۔ وہبہ الزحیلی، "الفقه الإسلامي وأدلته"، دار الفکر، دمشق، 1438ھ، ج 10، ص 234

[41] ۔ ابن تیمیہ، "السیاسۃ الشرعیۃ"، مکتبہ المعارف، ریاض، 1445ھ، ج 2، ص 345